تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

جلد نمبر: 7

شمارہ: 03

انٹرنیٹ گزٹ

مارچ 2017ء

المنار

زیرنگرانی: شعبہ اشاعت-تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن-یو.کے

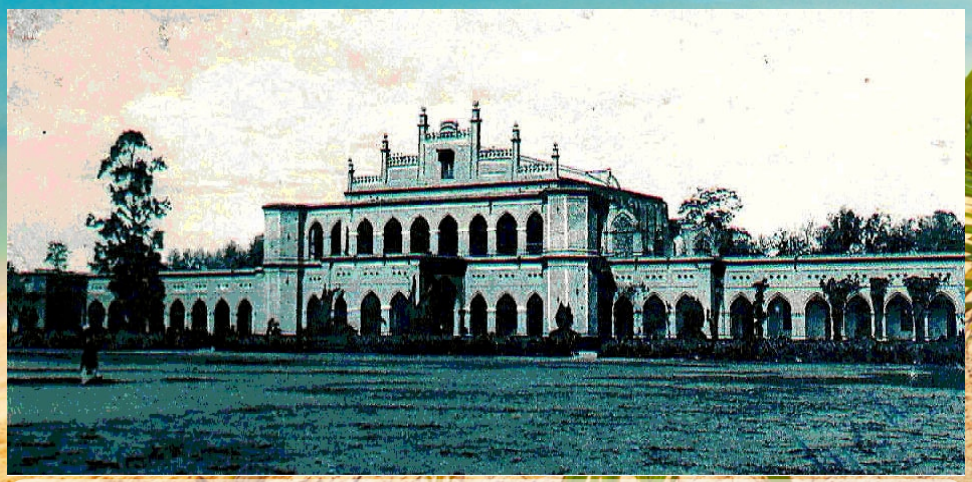

Taleem-Ul-Islam College Old Students Association - U.K

181, London Road, Mordan, SM4 5HF, London.

Ph. 020 8877 5510, 7886304637 - Fax: 020 8877 9987

ticosauk2017@gmail.com - www.alminaruk.com

قال اللہ تعالیٰ

پس بتوں کی پلیدی سے احتراز کرو اور جھوٹ کہنے سے بچو۔ (الحج:31)

اور وہ لوگ بھی (اللہ کے بندے ہیں) جو جھوٹی گواہیاں نہیں دیتے اور جب لغو باتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر (بغیر ان میں شامل ہونے کے) گزر جاتے ہیں۔ (الفرقان:73)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

’’سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف اور جو انسان ہمیشہ سچ بولے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ گناہ اور فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم کی طرف اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے۔‘‘ (صحیح بخاری کتاب الادب۔ باب قول اللہ اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

’’قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے (فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ) دیکھو یہاں جھوٹ کو بت کے مقابل رکھا ہے اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بت ہی ہے ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسے بت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز ملمّع سازی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہاں تک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اس میں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جائے تو جلدی سے دور نہیں ہوتا۔ مدت تک ریاضت کریں تب جا کر سچ بولنے کی عادت ان کو ہوگی۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 350)

ارشاد سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’میں سمجھتا ہوں ایسوسی ایشن اگر اپنے ممبران سے مستقل رابطہ رکھے اور ممبران خود بھی ایک جذبہ کے تحت اپنی اس درسگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو احمدی بچوں کے لئے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔‘‘

(الفضل ربوہ 13/ اکتوبر 2011ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی
بچوں پر شفقت کی ایک حسین مثال

محترمہ برکت بی بی صاحبہ اہلیہ حضرت میاں فضل محمد صاحبؓ ہرسیاں والے بیان کرتی ہیں کہ آپ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہاں تشریف لاتیں تو بڑی بچی رحیم بی بی کو بھی ساتھ لے آتیں۔ ایک بے حد دلچسپ واقعہ اس بچی کی ایک بھولپن کی فرمائش کا محترمہ اہلیہ حضرت مولوی غلام نبی مصری صاحب نے سنایا۔

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کسی تصنیف میں مصروف تھے۔ بچی حضرت صاحب کو پنکھا کر رہی تھی خدا جانے اس بچی کے دل میں کیا آیا کہ وہ ایک کھڑکی پر چڑھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی:

''حضرت جی آپ یہاں آجائیں تو میں آپ کو پنکھا کروں۔''

اور حضرت اقدس اپنا کام چھوڑ کر بچی کی دلجوئی کی خاطر اُٹھ کر کھڑکی کے پاس تشریف لے آئے۔

(بحوالہ کتاب ''زندہ درخت'' صفحہ 64-65)

خدا تعالیٰ نے ہی بھجوایا تھا..

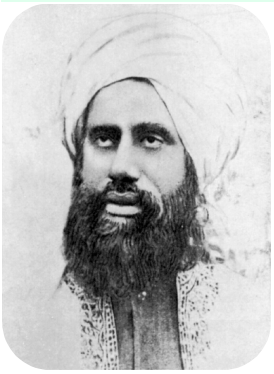

حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں اچھے استاد کی تلاش میں وطن سے دور چلا گیا۔ تین دن کا بھوکا تھا مگر کسی سے سوال نہیں کیا۔ میں مغرب کے وقت ایک مسجد میں چلا گیا مگر وہاں کسی نے مجھے نہیں پوچھا اور نماز پڑھ کر سب چلے گئے۔ جب میں اکیلا تھا تو مجھے باہر سے آواز آئی:

''نُورالدین! نُورالدین! یہ کھانا آکر جلد پکڑ لو۔''

میں گیا تو ایک مجمع میں بڑا پر تکلف کھانا تھا۔ میں نے پکڑ لیا۔ میں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے کیوں کہ مجھے علم تھا کہ خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ میں نے خوب کھایا اور پھر برتن مسجد کی ایک دیوار کے ساتھ کھونٹی پر لٹکا دیا۔ جب میں آٹھ دس دن کے بعد واپس آیا تو وہ برتن وہیں آویزاں تھا۔ جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ کھانا گاؤں کے کسی آدمی نے نہیں بھجوایا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہی بھجوایا تھا۔

(حیاتِ نُور صفحہ 27)

سبق آموز

اخبار ''البدر'' قادیان کے اوّلین ایڈیٹر اور مالک حضرت بابو محمد افضل صاحب افریقوی کا چشم دید بیان ہے کہ:

''میں افریقہ میں تھا اور ڈاکٹر رحمت علی صاحب (حضرت حافظ روشن علی صاحب کے بھائی۔ ناقل) اور منشی محمد ابراہیم صاحب ٹھیکیدار وغیرہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت اقدس کا ایک اشتہار اپنی جماعت کو تنبیہہ کے عنوان سے پہنچا جس میں حضرت نے حقہ نوش کی مجلسوں میں شریک ہونے والوں سے اظہار رنج فرمایا ہوا تھا۔ ڈاکٹر رحمت علی اور منشی محمد ابراہیم صاحب کو حقہ نوشی کی سخت عادت تھی مگر اس اشتہار کو پڑھ کر ہر دو صاحبوں نے عزم صمیم کر لیا اب حقہ نوشی نہ کریں گے چنانچہ وہ دن اور آج کی گھڑی کہ پھر یہ صاحب حقہ کے نزدیک نہیں گئے۔ حضرت اقدس فرمایا کرتے ہیں کہ عادات کو ترک کرنا اور ان میں تغیّر پیدا کرنا اسی کا نام کرامت ہے ایسی بدعادات کو ترک کرنے سے انسان کو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔''

(البدر یکم فروری 1904ء صفحہ 11، بحوالہ الفضل ربوہ 11 نومبر 2011ء)

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا دورہ مراکش

(رپورٹ۔شعبہ اشاعت تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے)

نومبر 2016 کی بات ہے جب ہم بیت الفتوح میں ایک میٹنگ میں تھے ۔ ایک دوست نے مشورہ دیا کہ ہماری ایسوسی ایشن کے ممبران بڑی دیر سے کسی تفریحی دورے پر نہیں گئے ہمیں مراکش کا دورہ کرنا چاہئے۔مکرم مبارک صدیقی صاحب صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ نے مکرم عطاء القادر طاہر صاحب کو ہدایت کی کہ وہ آئندہ دو دنوں میں مراکش کے سفر کی تمام معلومات اور اخراجات سے متعلق ایک پلان تیار کر کے بتائیں تا کہ مشورے کے بعد فیصلہ کیا جا سکے۔مکرم صدر صاحب نے اس تفریحی دورے کی تفصیلات جاننے کے بعد اسکی منظوری دی اور حضور انور ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں باضابطہ منظوری کے لئے خط بھی روانہ کر دیا۔اسی دوران چودہ ممبران کی فلائٹ اور ہوٹل کی ابتدائی بکنگ بھی کر لی گئی۔ کچھ ہی دنوں میں حضور انور ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کی طرف سے دعاؤں بھرا خط بھی مل گیا اور اجازت بھی مل گئی جسکے بعد ممبران نے خوشی خوشی اس سفر کے لئے اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔ہمیں پانچ فروری کو روانہ ہونا تھا۔

اس قافلے میں مکرم مبارک صدیقی صاحب ،عطاء القادر طاہر صاحب،رانا عبدالرزاق خاں صاحب،رانا عرفان شہزاد صاحب،وسیم باری صاحب ،چوہدری عبدا لمنان اظہر صاحب،عامر خالد محمود صاحب، طارق صفدر صاحب،شفیق میر صاحب، اعجاز احمد صاحب، اشفاق احمد صاحب، آصف علی پرویز صاحب اور فضل ناصر احمد صاحب اور خاکسار سید حسن خان اس سفر میں شامل تھے۔ مکرم مبارک صدیقی صاحب نے اس سفر اور ہوٹل کی بکنگ اور اخراجات وغیرہ کے انتظامات کی ذمہ داری، عطاء القادر طاہر صاحب کے سپرد کی اور انہیں امیر قافلہ مقرر کیا۔مکرم منان اظہر صاحب کے ذمہ مالی معاملات تھے۔خاکسار کے ذمہ نمازوں کی بروقت ادائیگی اور تربیتی امور تھے۔مکرم شفیق میر صاحب کی ذمہ واری تھی کہ وہ سینئر ممبران کی مدد کریں گے ۔رانا عرفان صاحب فوٹو گرافی کے لئے مقرر کئے گئے۔صدر صاحب نے محترم رانا عبدالرزاق صاحب کو سیکریٹری مزاح و چھیڑ چھاڑ مقرر کیا۔اسی طرح تقریباً ہر ممبر کے ذمہ کوئی نہ کوئی ڈیوٹی لگائی گئی۔

ہم سب بروز اتوار مورخہ 5 فروری بیت الفتوح صبح پونے پانچ بجے پہنچے اور ایک چودہ سیٹر وین میں بیٹھ کر دعاؤں کے ساتھ گیٹ وِک ائیر پورٹ پہنچے جہاں سے ہمارا جہاز ایزی جیٹ EASY JET 8 بجے برائے مراکش روانہ ہوا۔اس وین کی ڈرائیونگ جناب مظفر احمد صاحب قائد ایثار مجلس انصار اللہ یوکے نے کی۔مراکش ائیر پورٹ پر ہمارا جہاز تقریباً بارہ بجے پہنچا۔ایمیگریشن کے بعد جب ہم ائیر پورٹ سے باہر نکلے تو محترم امیر صاحب مراکش ڈاکٹر اسام خامسی صاحب اور محترم بنیامین بٹ صاحب اور امیر صاحب ہمارے استقبال کیلئے موجود تھے۔ان سے سلام اور معانقہ کے بعد ہم سب ایک وین پر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارا فائیو اسٹار ہوٹل ائیر پورٹ سے تقریباً سات کلومیٹر کی دوری پر واقع تھا لندن کے فائیو سٹارز ہوٹل سے اس ہوٹل کا معیار بہت زیادہ بہتر تھا۔

آخر وہ وقت بھی آ گیا جب ہماری وین ہوٹل میں داخل ہوئی۔ ہوٹل میں داخل ہونے کے بعد کاؤنٹر پر جا کر پہلے رجسٹریشن ہوئی اور ہمیں باقاعدہ بازو پر باندھنے کے لئے ٹیگ دیئے گئے۔ ہوٹل کا ماحول بہت ہی خوبصورت اور اعلیٰ درجہ کا تھا۔ سامان ہم سب نے اپنے اپنے الاٹ کئے ہوئے کمروں میں رکھا اور کچھ دیر کیلئے آرام کیا پھر کھانے کے لئے ڈائننگ ہال میں چلے گئے۔ وہاں کھانے کا انتظام انتہائی اعلیٰ تھا۔ رنگا رنگ کے کوئی ایک سو قسم کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ مٹن، بیف، چکن، چاول، روٹی، پیزا، سالن بھی کئی قسم کے موجود تھے۔ کم از کم پانچ صد لوگ وہاں موجود تھے۔ کام کرنے والے سب عربی اور انگریزی بولتے تھے۔ آئس کریم کئی قسم کی اور سلاد بیس قسم کا فروٹ موجود تھا، ساتھ ہی کئی قسم کے ڈرنکس، چائے اور کافی کا بھی انتظام تھا۔ جا بجا ٹیبل لگے ہوئے تھے۔ ہم سب کو کافی بھوک لگی ہوئی تھی خوب پیٹ بھر کر کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ نماز مغرب اور عشاء ادا کیں اور سو گئے۔ صبح نماز فجر سے فارغ ہو کر ناشتہ کے لئے ڈائننگ ہال میں پہنچ گئے۔ ناشتے کا بہت اعلیٰ انتظام تھا۔ فرائی انڈے، آملیٹ، کئی قسم کے سالن، پراٹھے، روٹی، سلاد، آئسکریم، چائے، کافی بھی موجود تھی۔ سب نے جی بھر کر ناشتہ کیا اور پروگرام کے مطابق گاڑی کے پاس سب بروقت پہنچ گئے۔ ادھر ہمیں ہمارا ہائر کیا ہوا ڈرائیور اور بنیامین بٹ صاحب اور عبد الہادی صاحب آغادیر Agadir لے جانے کے لئے موجود تھے۔

Agadir کا سفر

تقریباً صبح بمطابق 8 بجے ہمارا سفر آغادیر کی جانب دُعا اور نیک تمناؤں کیساتھ شروع ہوا۔ جو کہ مراکش شہر سے ۱۵۰ میل پر واقع ہے۔ آغادیر کو ایک زلزلہ نے ۱۹۶۰ء میں تباہ کر دیا تھا۔ یہ بالکل نیا تعمیر ہوا ہے۔ یہاں دنیا بھر سے سیاح آتے ہیں۔ سیاحت اس ملک کی صنعت ہے جس سے بہت آمدنی ہوتی ہے۔

راستہ میں صدر صاحب کے حکم کے مطابق اچھی اچھی آوازوں والے دوستوں نے، جن میں وسیم احمد باری صاحب، شفیق احمد میر صاحب اور بنیامین بٹ صاحب نے درثمین و کلام محمود میں سے نظمیں پیش کیں۔ راستہ میں ایک دو جگہوں پر رُک کر چائے، پانی پیا اور باتھ روم گئے۔ راستہ میں قدرتی مناظر دیکھ دیکھ کر خدا تعالیٰ کی حمد بھی کرتے رہے۔ کہیں پہاڑ تو کہیں کسانوں کے مٹی سے بنے گھروں کو دیکھ کر دل عش عش کر اُٹھتا تھا۔ اس سرزمین میں بسنے والوں کی سلامتی کی دعائیں بھی کرتے رہے۔ ہمارا یہ سفر تقریباً چار گھنٹے کا تھا جو کہ پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ بالآخر ہم آغادیر پہنچے۔ ہماری وین پہلے شہر سے کافی اونچائی پر کھڑی ہوئی جہاں پر لوگ اونٹ اور گھوڑے لئے کھڑے تھے۔ سب سے پہلے مکرم مبارک صدیقی صاحب نے اونٹ پر سواری کی جسکے بعد ہمت کرتے ہوئے اور بھی ساتھیوں نے اونٹ کی سواری کی، بعد میں ہم نے وہاں اونچائی پر ایک قلعہ دیکھا جو کہ ہزاروں سال پرانا تھا اور بالکل ٹوٹا پھوٹا ہوا تھا مگر اس کے نشانات بتاتے تھے کہ یہ سمندر کی طرف سے آنے والے حملہ آوروں پر مورچوں سے توپیں استعمال کر کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ نیز اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نظارے اس قلعہ سے نظر آئے۔ وہاں پر ہم سب نے فوٹوز بھی کھینچیں۔ کلائی پکڑنے میں فضل ناصر صاحب اوّل رہے، دوڑ میں مکرم عامر خالد صاحب اعجاز صاحب اول رہے۔ محترم اشفاق صاحب نے بھی بہت ہمت کر کے ہر اونچائی پر پہنچے اور ہرگز کسی سے پیچھے نہ رہے۔

اس کے بعد ہم سب نے وین کے ذریعہ نیچے آ کر Seaside کا نظارہ کیا۔ ہم میں سے چند دوستوں نے سمندر میں کشتی رانی بھی کی۔ وہاں پر لوگوں کے فن کی خاطر موٹر بائک قسم کی کشتیاں تھیں جن کو خود بھی چلایا جا سکتا تھا۔ مکرم مبارک صدیقی صاحب، مکرم رانا عرفان صاحب اور مکرم فضل ناصر صاحب نے سمندر میں خوب تیزی سے یہ الیکٹرانک کشتیاں دوڑائیں باقی سب بھی اپنے اپنے مزاج کے مطابق سمندر کی لہروں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ یہ کشتیاں سمندر کے گہرے پانی میں ہی رہتی تھیں اور ساحل تک آنے کے لئے چھوٹی بوٹ میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ بہت ہی پر لطف موسم اور چمکدار دھوپ تھی۔ اس کے بعد ہم سب ایک پاکستانی ہوٹل میں گئے۔ مالک کے ساتھ ہم نے کچھ گپ شپ بھی کی اور اس کے ریسٹورانٹ میں باربی کیو قسم کا بہترین کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد ہم واپس مراکش اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ پہلے کی طرح واپسی پر لمبی ڈرائیو میں بھی ہمارے اچھی آوازوں والے دوستوں نے اپنی سریلی آوازوں سے خوب نظمیں سنا کر ہم

سب کو محظوظ کیا۔ وسیم باری صاحب ۔ میر شفیق صاحب بن یامین صاحب فضل ناصر صاحب نے دوستوں کو اپنی خوبصورت آواز سے خوب مسحور کیا۔ مبارک صدیقی صاحب نے بہت انکار کیا لیکن دوستوں کے اصرار پر انہوں نے اپنی ایک دو غزلیں سنائیں جس سے سفر اور بھی دلکش ہو گیا۔ مکرم رانا عبد الرزاق صاحب اور مکرم رانا عرفان صاحب نے لطائف سنا سنا کر پیٹ میں بل ڈال دیئے۔ رانا رزاق صاحب کے ایک لطیفے پر تو ہمارے صدر مبارک صدیقی صاحب اتنا ہنسے کہ انہیں پانی پینا پڑا اور بڑی دیر تک وہ خاموش بیٹھے اپنا سانس بحال کرتے رہے۔ اسی طرح سفر کے مزے اُڑاتے ہوئے تقریباً شام سات بجے اپنی منزل پر پہنچے۔ اسی دوران سب نے باجماعت نماز ظہر اور عصر ادا کیں۔ واپس ہوٹل میں آ کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد شام کے کھانے کا رُخ کیا جس کی ہم سب کو تمنا تھی کہ طرح طرح کے کھانے کھائیں۔ کھانا کھانے کے بعد آئس کریم کیطرف رُخ کیا اور بعد میں چائے کا دور چلا۔ ہوٹل میں مبارک صدیقی صاحب کی صدارت میں اگلے دن کا پروگرام طے کیا کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ ہم آبشار اور اس کے اردگرد کے قدرتی مناظر دیکھنے جائیں گے۔

آبشار اور قدرتی مناظر

جن پہاڑوں پر آبشاریں گرتی ہیں اس جگہ کا نام Ozoud ہے۔ امیر قافلہ عطاء القادر طاہر صاحب کی زیر نگرانی پروگرام کے مطابق ہمارا سفر عین ۹ بجے ہوٹل کے باہر سے شروع ہوا۔ یہ سفر پہلے سفر سے بھی زیادہ مسرور کن اور ایمان افروز تھا۔ راستہ میں جب ہم اپنی وین میں بیٹھے پہاڑیوں کے دامن میں نظر ڈالتے تو بے شمار سرسبز وادیاں نظر آتیں اور کہیں کہیں پرانے زمانہ کے مکانات اور کسان اپنے کھیتوں میں کاشتکاری کرتے نظر آتے جن کو دیکھ کر رشک آتا کہ خدا تعالیٰ نے اس سرزمین کو بھی کتنا حسین و جمیل بنایا ہے۔ نیز نیچے کئی سڑکیں بھی نظر آئیں جو مختلف جگہوں کی طرف رواں دواں تھیں۔ سفر میں پہلے کی طرح خدا تعالیٰ نے ہمیں اتنے اچھے اور ہمدرد ساتھی بھی دیئے تھے جو ایک دوسرے کی دلجوئی کرتے تھے۔ نظمیں، لطیفے اور واقعات سنا سنا کر کے سفر کو آسان بنا دیتے تھے۔ رانا عبدالرزاق خان سب ساتھیوں کو مزاحیہ ماحول میں گھسیٹ لاتے رہے۔ بالآخر تقریباً تین گھنٹے کا یہ سفر ایک ایسی جگہ پر ختم ہوا جہاں سے ہمیں آبشاروں سے پانی نیچے دامن میں گرتا نظر آتا تھا۔ جہاں پروگرام کے مطابق ہمیں اس جگہ پر جانا تھا۔ لہٰذا یہ طے پایا گیا کہ چند دوست کچھ لمبے راستہ سے پیدل پہلے اوپر پہاڑوں پر جائیں گے پھر نیچے وہاں جائیں گے جہاں پر آبشار گرتی ہیں۔ لہٰذا تمام دوست دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ ہم چند دوست تو کچھ چھوٹے راستہ سے گئے جو ہمیں اپنی منزل تک لے گیا۔ یہ انتہائی خطرناک اور مشکل ترین سفر تقریباً ایک گھنٹہ میں ہم نے طے کیا۔ جو کہ ہماری زندگیوں کا پہلا اور خطرناک سفر تھا جو ہم نے طے کیا۔ راستہ میں بندر بھی کچھ حیرت سے دیکھتے تھے کہ یہ کون ہمارے علاقہ میں آ گئے ہیں۔ وہاں کے نظارے دیکھنے کے بعد ہم سب نیچے اُترے اور ایک چھوٹی سی دکان سے تازہ مالٹوں کا جوس پیا۔ یہاں پہنچنے تک ہم تھکاوٹ سے چور تھے لیکن ابھی اور نیچے جانا تھا۔ بالآخر ہم سب خدا خدا کر کے آبشاروں کے دامن میں پہنچ گئے جہاں پر آبشار سے پانی گرتا تھا۔ اس پانی میں کچھ لوگ کشتیوں میں بیٹھے قدرت کا نظارہ کر رہے تھے۔ لہٰذا ہم بھی ایک کشتی میں بیٹھ گئے اور کشتی کی سواری کی اور آبشاروں کو دامن میں گرتے دیکھا۔ یہ نظارہ بیشک دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جو کہ بیان سے باہر ہے۔ پانی کی ہلکی ہلکی پھوار ہم سب پر پڑ رہی تھی۔ سبھی بہت لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کشتی سے اُتر کر سب نے ایک تصویر بھی بنوائی۔ بعد میں ہم وہاں سے پیدل اوپر تین صد سیڑھیاں چڑھ کر اپنی جگہ پر پہنچے جہاں سے چلے تھے جہاں پر ہماری وین اور ہمارے دوسرے دوست ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ اس غیر متوقع اترائی اور پھر چڑھائی کے باعث بہت سے دوستوں کو ٹانگوں میں کھلیاں سی پڑ گئیں۔ مکرم اعجاز صاحب جو کہ پہلے ہی سے کچھ بخار محسوس کر رہے تھے انہیں واپسی پر تیز بخار ہو گیا لیکن ہم ساتھ فرسٹ ایڈ کا سامان ادویات لے کر گئے تھے۔ ایک دن کے آرام کے بعد انکی طبیعت بحال ہو گئی۔

بہرحال آبشار سے واپسی پر ایک ٹی شاپ تھی جہاں پر ہم سب نے کچھ کھانا کھایا اور چائے وغیرہ نوش کی۔ اس کے بعد واپس ہوٹل میں آ کر اگلے دن کے پروگرام کے مطابق ایٹلیس ماؤنٹینز Atlas Mountains جو کہ برفانی پہاڑوں کے سلسلے ہیں دیکھنے کا پروگرام بنایا۔

ایٹلیس مائونٹینز Atlas Mountains کا سفر

اٹلیس ماؤنٹینز کا سفر بھی بہت ہی سہانا اور دلکش تھا۔ اس گاؤں کا نام IMLIL ہے۔ ہمارا قافلہ جس میں ہم چودہ دوستوں کے علاوہ بنیامین بٹ صاحب اور عبدالہادی صاحب بھی تھے وقتِ مقررہ کے مطابق صبح 9 بجے سفر شروع ہوا۔ آج کا سفر بھی تقریباً 3 گھنٹے کا تھا راستہ میں اسی طرح خدا تعالیٰ کی قدرت کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور میں تو ان پیارے اور دلکش نظاروں کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی حمد ہی کرتا رہا کہ اے میرے مولیٰ کریم تو نے کتنی خوبصورت اور دل موہ لینے والی زمین بنائی ہے۔ بہرحال ہم بالآخر ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں سے ہم سب کو برف پوش پہاڑوں پر چڑھنے کے لئے کسی سواری کی ضرورت تھی۔ کیونکہ وہاں پر موٹر گاڑیاں نہیں جاسکتیں۔ صرف خچروں پر ہی سوار ہوکر جانا ہوتا ہے۔ بہرحال ہم سب خچروں پر سوار ہوکر پہاڑوں پر گئے اس دوران ہمارے ایک بھائی عامر خالد محمود پیدل ہی پہاڑ پر چڑھے جس سے ان کا سانس پھول گیا اور ان کو سانس لینے میں دقت محسوس ہوئی تو ان کو آرام کرنے کا مشورہ دیا گیا اور پانی پینے اور دوائی کھانے کے بعد ان کو ہوش آئی تو انہیں ایک اصیل خچر پر بٹھا کر واپس نیچے زمین کی طرف بھجوا دیا گیا اور ہمارا سفر اوپر کی طرف جاری رہا۔ پہاڑوں پر بہت برف جمی ہوئی تھی جس کو دیکھ کر ہمارے دل باغ باغ ہوگئے اور اس نظارے کو ہم سب نے بہت انجوائے کیا اور وہاں پر برف پڑنے کی وجہ سے ہم سب کو خوب سردی بھی محسوس ہونے لگی۔ خچروں پر بیٹھ کر اوپر جانا تو بہت اچھا لگا۔ واپسی پر خچر ایسے رستوں سے اترے کہ ہماری چیخیں نکل گئیں۔ اتنے تنگ اور دشوار گزار رستے سے گزرتے ہوئے ہمیں یقیناً بہت ڈر بھی لگ رہا تھا کیونکہ خچر کے پیر پھسلنے کی صورت میں ہم بھی کئی سو یا کئی ہزار فٹ نیچے گر سکتے تھے۔ لیکن خدا کا فضل رہا۔ ہمارے صدر مبارک صدیقی صاحب اور مکرم منان اظہر صاحب سب سے زیادہ اس سفر سے محظوظ ہو رہے تھے اور باقی دوستوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ ڈریں نہیں۔ جب کچھ ہوگا تو ہو جائے گا فکر بہرحال نہ کریں۔ جن خچروں پر رانا عبدالرزاق صاحب اور رانا عرفان صاحب تھے، ان خچروں نے راستے میں کوئی دو بار پانی پیا ہوگا اور انہیں آرام کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ہمارے گائیڈ نے بتایا کہ یہ خچر چونکہ انہیں پہاڑوں پر پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکتے ہیں اور کوئی گھوڑے یا عام خچر ان رستوں پر گر جاتے پھسل جاتے ہیں بہرحال یہ سفر ہماری زندگی کا بہت ہی یادگار سفر تھا۔ راستے میں مکرم مبارک صدیقی صاحب نے کہ یہ کہہ کر سب کو ہنسا دیا کہ خدا کی قدرت ہے۔ ہمارے ملک میں سزا کے طور پر گدھے کی سیر کروائی جاتی ہے۔ یہاں ہم اتنے درہم خرچ کر کے ان گدھوں پر سوار ہیں۔

اس کے بعد ہم ایک پانی کا ڈیم دیکھنے گئے۔ اس جگہ کا نام Jet Atlas ہے۔ تصاویر کے بعد ہم ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گئے۔ اس جگہ کا نام Moulie Ibrahim تھا۔ اس ہوٹل میں گوشت کو آلو میں چھپا کر بھاپ سے پکاتے ہیں جو کہ بہت ہی لذیذ ہوتا ہے۔ ایک گاؤں AMIZ-MEAZ سے بھی گزرے۔ جہاں چھوٹے چھوٹے بچے ہمیں دیکھ کر آ گئے۔ صدر صاحب نے اُن میں کچھ درہم بھی تقسیم کئے۔

موٹروں کی سواری

آخری دن کے پروگرام کے مطابق شہر سے دور ایک جگہ پر فن کی خاطر ایک ORIKA گاؤں میں گئے جہاں پر بڑی بڑی چار پہیوں والی موٹر سائیکلوں پر سواری کرنا مقصود تھا۔ جو کہ بیشک میرے جیسوں کیلئے کافی مشکل اور خطرناک بھی تھا۔ لہٰذا ایک موٹر کار پر دو دو احباب یا ایک سواری کر سکتا تھا۔ اس لئے بعض دوستوں نے اکیلے سفر کیا مگر میرے ساتھ وسیم احمد باری صاحب نے موٹر چلائی۔ ڈر تو پھر بھی لگتا تھا مگر فن کی خاطر حصہ تو لینا تھا۔ اس کا سفر بھی کافی لمبا تقریباً تین چار میل تک کا تھا۔ سب دوستوں نے خوب اپنی اپنی بائک دوڑائیں، مکرم میر شفیق صاحب، محترم قادر صاحب محترم وسیم صاحب اور محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب نے تو موٹر بائیک دوڑانے میں بڑی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ فضل ناصر صاحب اس موٹر سائیکل کو بہت ہی پروفیشنل طریقے سے چلا رہے تھے۔ اس مقابلے میں اوّل پوزیشن شفیق صاحب، مکرم رانا عرفان صاحب، مبارک صدیقی صاحب اعجاز صاحب نے حاصل کی۔ دوسرے نمبر پر رانا رزاق صاحب، فضل صاحب آصف صاحب اور مکرم عامر خالد صاحب تھے۔ ایک دوست طارق صاحب نے ایک بچے کو بچاتے ہوئے گاڑی موڑی جو سیدھی درخت سے جا ٹکرائی اور انکے ہاتھ میں فریکچر ہوگیا۔ انہیں فوری ہسپتال داخل کروانا پڑا۔

واپس آ کر ہم سب نے کھانا اور چائے وغیرہ پی کر اپنی تھکان دور

کی۔اس کے بعد ہم سب واپس وین کے ذریعہ اپنی منزل ہوٹل میں آ گئے۔ہوٹل میں آ کر دوپہر کا کھانا تناول کیا اوراس کے بعد چند منٹ اپنے اپنے کمروں میں جا کر ریسٹ کیا۔کیونکہ آج ہمارا مراکش میں آخری دن تھا اس لئے آج کے دن ہمیں مراکش شہر کی رونقیں دیکھنے اور کچھ شاپنگ وغیرہ بھی کرنے جانا تھا۔ساتھ آخری دن امیر صاحب مراکش کے ساتھ ڈنر کا بھی پروگرام تھا۔لہٰذا شام ہم سب مراکش شہر دیکھنے اور شاپنگ کرنے نکل گئے۔ پہلے بنیامین بٹ صاحب کی دوکان پر سے کچھ شاپنگ کی اور پھر شہر چلے گئے چونکہ شہر سے امیر صاحب کو جس ہوٹل میں مدعو کیا گیا تھا وہ کافی دور تھا اس لئے ہم سب بگیوں میں بیٹھ کر ہوٹل پہنچے ادھر امیر صاحب کے ساتھ باربی کیو سے لطف اندوز ہوئے اور کچھ فوٹوز امیر صاحب کے ساتھ لی گئیں۔اس کے بعد ہم سب کی واپسی ہوٹل میں ہوئی۔چونکہ اگلے دن ہماری لندن واپسی تھی اس لئے ہم سب جلد اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور واپسی کی تیاری شروع کردی۔اگلے دن ہم سب صبح 9 بجے ہوٹل کی وین کے ذریعہ ائیر پورٹ پر پہنچے۔ائیر پورٹ پر ہمیں الوداع کرنے کیلئے بنیامین بٹ صاحب،عبدالہادی صاحب اور امیر صاحب آئے۔اس طرح سے ہمارا حسین ترین دورہ مراکش اختتام کو پہنچا۔واپس لندن گیٹ وِک ائیر پورٹ پر ہمیں لینے جناب یٰسین صاحب اپنی وین کے ذریعہ آ گئے اور ہمیں پھر اپنے اپنے گھر بخیریت پہنچا دیا۔

مجلس ادارت
رانا عبدالرزاق خان۔عطاء القادر طاہر۔سید حسن خان۔آصف علی پرویز
پروف ریڈنگ
چوہدری بشیر احمد اختر۔پروفیسر عبدالقدیر کوکب
کمپوزنگ وڈیزائننگ
خورشید احمد خادمؔ
مینیجر
سید نصیر احمد

اسداللہ خان غالب

شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یا رب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا
بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد
کام یاروں کا بہ قدر لب و دنداں نکلا
تھی نو آموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالبؔ
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

حسن رہتاسی

نحیف و ناتواں لاغر بدن معلوم ہوتا ہے
اسیر پنجۂ رنج و محن معلوم ہوتا ہے
کبھی آوارہ گردی سے کبھی سحرنوردی سے
بروزِ قیس، ظلِ کوہ کن معلوم ہوتا ہے
زبان حال سے کہتی ہے اس کے تن کی عریانی
کوئی نادار محتاج کفن معلوم ہوتا ہے
اگرچہ تلخ گوئی میں جواب اپنا نہیں رکھتا
مگر اسٹیج پر شیریں سخن معلوم ہوتا ہے
بتوں سے اس کو نفرت ہے کہ ہے محمود کا خادم
عقیدت اور عمل سے بت شکن معلوم ہوتا ہے
خدا کی شان جو گھر کل گلابستان تھا وہ بھی
خزاں کے ہاتھ سے اجڑا چمن معلوم ہوتا ہے
سنی جب داستانِ غم تو نکتہ رس پکار اُٹھے
ستم جس پر یہ ٹوٹے ہیں حسنؔ معلوم ہوتا ہے

چوہدری صاحب

(آصف محمود باسط-لندن-قسط دوم)

خیر، اس روز ملاقات بہت ہی دلچسپ رہی۔ چوہدری صاحب نے میری تعلیم کے بارہ میں پوچھا۔ ٹی آئی کالج کے نام پر پھر رقت کا غلبہ ہوا۔ فلسفہ کے مضمون کے نام پر بھی چوہدری صاحب آب دیدہ ہوگئے کہ یہ ان کا مضمون تھا۔ پھر ٹی آئی کالج کی بات ہو اور چوہدری صاحب حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا ذکر نہ کریں، یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا ذکر ہو اور چوہدری صاحب کو رقت نہ آجائے، یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ سو اس روز میں چوہدری صاحب کے یہاں کیا گیا، بقولِ غالب، گویا دبستاں کھل گیا۔ چوہدری صاحب تو اپنی ذات میں ایک ادارہ نکلے۔ پھر چوہدری صاحب کے کمرے بلکہ پورے مکان کے درودیوار پر تنہائی کی گھنی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ ملاقاتیں بڑھیں تو معلوم ہوا کہ جیسے گھر کی بیرونی دیواروں پر چڑھی ہوئی بیل بعض اوقات کسی درز سے گھر کے اندر بھی آنکلتی ہے، اسی طرح کمرے اور گھر کے درودیوار پر لپٹی یہ بیل چوہدری صاحب کے اندر سرایت کر چکی تھی اور اندر بھی اتنی ہی گھنی تھی۔ کمرہ میں چوہدری صاحب تھے، کتابیں تھیں، ایک چھوٹا سا ٹی وی تھا، چھوٹا سا فریج تھا۔ ان چیزوں کے علاوہ جس چیز نے اس کمرے میں سب سے زیادہ جگہ گھیر رکھی تھی، وہ وہ تنہائی تھی جو کمرہ میں بال کھولے پڑی تھی اور بین کرتی تھی۔

اُس روز کے بعد سے چوہدری صاحب میرے لئے اجنبی نہ رہے۔ کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے پہلی ملاقات تمام اجنبیت کے احساس کو مٹا دیتی اور اُنس کو جنم دے دیتی ہے۔ آپ نہ صرف دیر تک ایسے آدمی کے پاس بیٹھے رہنا چاہتے ہیں بلکہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ آپ انہیں بہت دیر سے جانتے ہیں۔ اس پہلی ملاقات کے بعد چوہدری صاحب میرے ذہن میں اکیلے نقش نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ساتھ ان کی تنہائی بھی نقش ہو کر رہ گئی۔ آج بھی، یعنی ستائیس برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی چوہدری صاحب میرے ذہن میں ایک دوئی کے طور پر نقش ہیں۔

اس ایک ملاقات کے بعد مجھے چوہدری صاحب کے مجموعہ کلام کی جستجو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس درویش کا کوئی مجموعہ نہیں۔ جو لکھا ہے وہ جہاں تہاں بکھرا پڑا ہے۔ مگر کالج کے اوقات کے بعد (بلکہ کالج کے اوقات کے دوران بھی) خلافت لائبریری جا نکلنا میرا پسندیدہ مشغلہ تو تھا ہی۔ سو ایسے اوقات میں پرانے الفضل وغیرہ سے چوہدری صاحب کے کلام کو تلاش کیا کرتا اور پڑھا کرتا۔ میں چاہوں تو بھی محترم سلطان صاحب، محترم حبیب الرحمن زیروی صاحب اور برادرم محترم صادق صاحب کے اس احسان کو نہیں بھلا سکتا کہ انہوں نے مجھے میری اس غیر ذمہ دارانہ عمر میں بھی لائبریری کے تمام گوشوں میں رسائی دے رکھی تھی۔ سو چوہدری صاحب کا کلام الفضل کے کئی سالوں پر بکھرے اوراق پر یہاں وہاں ملتا رہا۔ یوں اس عظیم شاعر سے واقفیت بڑھتی گئی۔ اگرچہ یہ بزرگ شخص مجھے ہمیشہ مل بھی لیتا تھا، مگر اصل تعارف کا ذریعہ یہ شاعری ہی بنی۔

انہی دنوں میں ان کی نظم ''تنہائی'' نظر سے گزری۔ یہ نظم مجھے اس لال کوٹھی کے سنسان و ویران برآمدوں اور غلام گردشوں میں لے گئی جہاں چوہدری صاحب فروکش تھے۔ مجھے پہلی ملاقات کی وہ روپہلی شام یاد آگئی۔ اس روز اگرچہ چوہدری صاحب نے کوئی کلام تو نہیں سنایا تھا، مگر زبان حال

سے یہی نظم تھی جسے چوہدری صاحب جی رہے تھے۔اُس دن ان کی آنکھوں میں یونہی تو لگا تھا کہ جیسے:

تنہائی میں جل اٹھے ہیں یادوں کے فانوس

اور جب آپ ٹی آئی کالج کے برآمدوں اور راہداریوں کا ذکر کر رہے تھے تو آپ نے یہی تو کیا تھا کہ:

حال کے گلشن میں لا رکھا ماضی کا تابوت

اور جب آپ اپنے قبول احمدیت کا احوال اور حضرت مصلح موعودؓ کا ذکر کر رہے تھے تو یہی کیفیت تو تھی کہ گویا:

وقت کا سینا کھود رہے ہیں لمحوں کے مزدور

اور پھر یہ بھی تو ہوا تھا کہ آپ بولتے جاتے اور میرے دل میں آپ کی توقیر بڑھتی جاتی۔توقیر اور محبت بڑھتے بڑھتے وہ وقت بھی تو اسی ملاقات میں آیا تھا کہ میرے اندر سے آواز آئی تھی کہ:

لفظوں کے درویش کھڑے ہیں، اٹھ عزت سے مِل

مجھے آپ کی رقت کو دیکھ کر یوں بھی لگا تھا کہ جیسے:

دشت کے سینے میں برپا ہے تنہائی کا شور

اور جب میں باہر نکل رہا تھا تو یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں میں نے اس ٹھہرے ہوئے پانی میں یادوں کا طوفان برپا کر کے اس معصوم روح پر کوئی ظلم تو نہیں کر دیا۔مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس ملاقات میں:

وقت کی نیلی جھیل میں اُٹھا لمحوں کا طوفان
انسانوں سے آن ملے ہیں پھر واپس انسان
صحرا کے سینے میں جاگے آس کے نخلستان
دشت میں آندھی آئی، تنہائی، تنہائی

یہ ملاقات جب اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی تو عجیب حالت تھی۔مجھے تو گویا تاریخ کی ایک کتاب مل گئی۔احمدیہ دبستانِ شاعری کا نصاب مل گیا تھا۔چوہدری صاحب پر کئی بار رقت آئی اور چلی جاتی رہی اور پھر یوں ہوا کہ

خموش بیٹھے ہیں دونوں اجاڑ کمرے میں
نہ میزبان نہ کچھ مہمان بولتا ہے

میں نے اجازت چاہی اور دوبارہ حاضر ہونے کی اجازت لے کر اس تنہائی زدہ کمرہ سے نکل آیا۔

ایک روز کالج کے لئے نکلنے لگا تو دیکھا الفضل میں چوہدری صاحب کی غزل چھپی ہے۔پہلے نہ پڑھی تھی۔الفضل ساتھ کالج لے گیا۔کالج میں وقفہ کے دوران کینٹین پر بیٹھ کر الفضل کھولا اور یہ غزل پڑھنے لگا۔ہر شعر لطف دیتا رہا، مگر ایک شعر نے یوں چونکا دیا جیسے اچانک آپ کی آنکھوں کے سامنے حادثہ ہو جائے۔شعر تھا کہ:

حادثہ ہو جائے شہرِ ذات میں
اس ٹریفک میں ٹھہر جاؤں اگر

شعر نہ صرف بہت گہرا، بہت خوبصورت تھا بلکہ معنی کے انوکھے جہان لئے ہوئے تھا۔پھر ایک اور بات جس نے لطف دیا وہ یہ تھی کہ اس میں اردو زبان کی کم مائیگی کی طرف بھی اشارہ تھا۔انگریزی میں تو ہر سال ایک ضخیم لغت شائع ہوتی ہے جس میں صرف وہ الفاظ شامل ہوتے ہیں جو اس سال کے دوران انگریزی کے دامن میں سمٹ آئے اور اس زبان کا حصہ بن گئے۔اردو زبان کو ایسے محسن کم کم میسر آئے جو اس کی نشوونما کی فکر کرتے۔یہ زبان آج زندہ ہے تو صرف اس لئے کہ اس زبان میں مسیح پاکؑ نے بہت کچھ تحریر فرما دیا۔ورنہ اس کے زندہ رہنے کے سب ذرائع خود اس زبان سے محبت کے دعویداروں نے مسدود کر دیئے ہیں۔ٹریفک کے لفظ کا واقعی اردو میں کوئی مترادف نہیں۔اور ایسا عظیم حادثہ بے ہنگم ٹریفک ہی میں ہو سکتا تھا، سو چوہدری صاحب نے کر دکھایا۔اس شعر سے چوہدری صاحب کا ایک اور شعر یاد آ گیا۔

میری قسمت کی لکیریں دیکھ کر کہنے لگا
یہ لکیریں مل گئیں تو حادثہ ہو جائے گا

یہ آدمی کیسے حادثوں میں سے گزرا ہوگا کہ ہر موڑ ہر چوک پر اسے حادثوں کے اندیشے گھیر لیتے ہیں۔مجھے بڑا تجسس ہوا کہ کبھی ان حوادث کا ذکر چوہدری صاحب خود ہی کر دیں۔ان حوادث کا ذکر چوہدری صاحب نے متعدد ملاقاتوں میں گاہے گاہے کیا۔کبھی ایک حادثہ، کبھی دوسرا، کبھی تیسرا بیان کرتے۔مگر یہ حادثے کیا تھے۔یہ سب آپ کے محبوبوں کے بچھڑ جانے کے واقعات تھے۔

(...جاری)

ایک عظیم سائنس دان-پروفیسر عبدالسلام

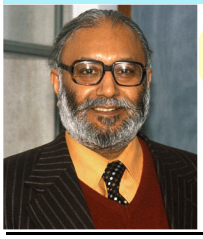

صدر پاکستان کے سائنسی مشیر اعلیٰ

(پروفیسر آصف علی پرویز-لندن).قسط:26

دوست: پچھلی ملاقات میں آپ نے پروفیسر سلام صاحب کی مشہور تقریر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اعلیٰ ایوانوں میں آپ کے خیالات کا نوٹس لیا گیا۔ ذرا اس بارے میں تفصیل سے بتایئے۔

آصف: جب اس تقریر کی تفاصیل صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان صاحب کو ملیں تو آپ نے ڈاکٹر سلام صاحب کو اپنا سائنسی مشیر اعلیٰ (جس کا درجہ مرکزی وفاقی وزیر کے برابر تھا) مقرر کرنے کی پیشکش کی اور ساتھ ہی درخواست کی کہ آپ فل ٹائم پوری تنخواہ کے ساتھ اس عہدہ جلیلہ کو قبول کریں۔ پروفیسر سلام صاحب نے

شکریہ کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کیا لیکن کہا کہ وہ بغیر تنخواہ کے پوری لگن اور محنت سے یہ کام کریں گے تاہم وہ امپیریل کالج لنڈن میں بھی اپنے کام کو جاری رکھیں گے تاکہ وہ اپنے تحقیقی کاموں کو بھی ساتھ ساتھ کرتے رہیں۔

دوست: پروفیسر عبدالسلام صاحب کی عظمت کو سلام! یہ ہے وطن سے محبت کی بہترین مثال کہ کام بھی پورا کرنا اور ملکی خزانے سے ایک پیسہ بھی تنخواہ نہ لینا۔ شاید آج کل کے زمانے میں یہ ایک منفرد مثال ہوگی ورنہ یار لوگ تو تنخواہ اور مراعات بڑھ چڑھ کر لیتے ہیں اور کارکردگی محض صفر!

آصف: آپ نے صدر پاکستان کو تفصیلی تجاویز دیں کہ پاکستان میں ایک بڑا ایٹمی ری ایکٹر لگانے کی اجازت دیں۔ انہوں نے منظوری دیتے ہوئے پروفیسر عبدالسلام صاحب کو اس کی جگہ تلاش کرنے کی تاکید کی۔ چنانچہ کئی جگہوں پر غور کرنے کے بعد پروفیسر سلام نے جب اسلام آباد کے نزدیک اسے بنانے کی سفارش کی۔

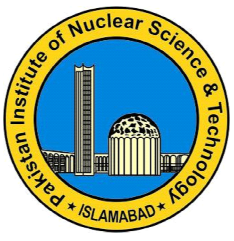

اس کا نقشہ ایک مشہور امریکی ماہر تعمیرات نے بنایا اور بالآخر یہ ادارہ (Pakistan Institute of Nuclear Science & Technology) کے نام سے موسوم ہوا۔ یہاں پر پاکستان کا پہلا ایٹمی ریکٹر لگایا گیا۔

دوست: گویا پروفیسر عبدالسلام صاحب نے پاکستان میں ایٹمی تنصیبات کا آغاز کر دیا۔

آصف: آپ کی بات بالکل درست ہے۔ میں تحدیث نعمت کے طور پر ذکر کرتا ہوں کہ 1972ء میں مجھے (ایم ایس سی کے طلباء کے ساتھ اس نیوکلیری ایکٹر کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ میں اس وقت M.Sc کی کلاسوں کو پڑھاتا تھا۔

دوست: پاکستان نے بالآخر جو ایٹم بم بنایا کیا اس ادارے نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔

آصف: یقیناً وہ سائنس دان جنہوں نے پروفیسر سلام صاحب کے ذریعہ فزکس میں Ph.D کی تھیں وہ اس ادارے سے منسلک ہو گئے تھے۔ بعد میں یہاں اور بھی تحقیقاتی لیبارٹریاں بنائی گئیں اور بالآخر پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا لیکن اس سارے کام کی داغ بیل پروفیسر عبدالسلام صاحب نے ہی رکھی تھی۔

دوست: نہ جانے کیوں اب بھی پاکستان میں بہت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو پروفیسر عبدالسلام صاحب کی خدمات کا اعتراف کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ آپ نے اور کون سے کارنامے سرانجام دیئے۔

آصف: آپ نے حکومت پاکستان کو مشورہ دیا کہ کراچی میں ایک سو پچاس میگاواٹ کا پاور ری ایکٹر لگایا جائے تاکہ اس سے بجلی پیدا کی جا سکے۔ چنانچہ آپ کی زیر نگرانی کینیڈا سے متعلقہ مشینری منگوائی گئی اور بالآخر کراچی نیوکلیئر پاور پراجیکٹ KANUPP پایا تکمیل کو پہنچا۔

دوست: کس حکومت کے زمانہ میں یہ منصوبہ مکمل ہوا۔

آصف: یہ دور مرحوم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے ٹیلیویژن پر پروفیسر عبدالسلام صاحب کا خطاب سنا جس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اس پاور ری ایکٹر کا باقاعدہ افتتاح کیا۔

اپنی تقریر میں انہوں نے اپنے سائنسی مشیر اعلیٰ جناب پروفیسر عبدالسلام صاحب کا بہت تعریف سے ذکر کیا کہ ان کی محنت سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

دوست: کاش اس وقت کی حکومت اور بعد کی آنے والی حکومتوں نے اور پاور ری ایکٹر لگائے ہوتے تو آج پاکستان کو جس بجلی کی بحران کا سامنا ہے شاید ہم اس سے چھٹکارا پا سکتے۔

آصف: یقیناً ایسا ہوتا۔

دوست: آپ نے اور کون سے دیگر ادارے بنانے کی تجاویز دیں؟

آصف: انشاءاللہ اس کا ذکر کریں گے اگلی ملاقات میں۔